اردو کی شعری اصناف کا تحلیل نفسی کے تناظر میں مطالعہ

Dr. Alisha Khanam

Assistant Professor

Delhi School of Journalism, University of Delhi -110007

تلخیص :اردو شاعری اپنی گہری معنویت اور جذباتی تاثرات کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف پلہوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔اس میں انسانی جذبات اور نفسیات کی عکاسی نہایت خوبصورتی سے کی جاتی ہے۔اردو شاعری کی مختلف اصناف، جیسے غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ،انسانی جذبات اور نفسیات کی عکاسی کا مؤثر ذریعہ ہیں۔یہ مضمون تحلیل نفسی کے اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان اصناف کی نفسیاتی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔اس کے ذریعے انسانی شعور، لا شعور اور تحت الشعور، اجتماعی شعور کی عکاسی بھی ہوتی ہے۔ہر صنف میں موجود جذباتی شدت اور موضوعاتی تنوع انسانی ذہن کے مختلف پہلوؤں، مثلاً خواہشات، اخلاقی اصولوں اور ذہنی کشمکش، کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔

اردو شاعری انسانی جذبات اور نفسیات کی آمیزش کا فقدان ہے کہ کس طرح شاعری فرد کی داخلی کیفیتوں کو واضح کرتی ہے۔ مثلاً غزل میں ہجر و وصال کے جذبات، قصیدے میں انا اور فخر کا اظہار، مرثیے میں غم اور جذباتی تطہیر، نفسیاتی(Catharsis) ، مثنوی میں کرداروں کی نفسیاتی پیچیدگیاں، اور نظم میں جدید انسانی شعور کی ترجمانی وغیرہ۔ لہذا یہ کہنا غلط نہیں کہ شعری اصناف نفسیاتی پلہوؤں اور انسانی تجربات کی ترجمانی کا مظہر ہیں۔ نفسیات اور ادب کے باہمی تعلق کی بنیاد پر اس مطالعے میں بابائے نفسیات سگمنڈ فرائیڈ کے نظریات کی زمیں پر اردو کی شعری اصناف سخن کے خیلوں کو یکجا کرنے کی کوشش ہے۔ مثال کے طور پر غزل میں محبت، اداسی اور تنہائی کے موضوعات انسان کے اندرونی جذباتی تنازعات کو واضح کرتے ہیں۔اسی طرح مرثیہ اجتماعی غم اور سوگ کے ذریعے جذباتی تطہیر کا ذریعہ بنتا ہے، جبکہ نظم فرد و نئی نسل افکار و نظریات، فکری الجھنوں اور جذباتی دباؤ کو نمایاں کرتی ہے۔

اردو شاعری کے نفسیاتی تجزیے میں اجتماعی نفسیات کو بھی مد نظر رکھا گیا ہے، جہاں شاعری قومی شعور، آزادی، انقلاب، اور سماجی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہے۔ مختلف ادوار کی شاعری نے انسان کے خارجی حالات اور داخلی جذبات کو اس طرح پیش کیا ہے کہ وہ ادب کے ذریعے انسانی تجربات کی تفہیم کا اہم ذریعہ بن گئی ہے۔اس مضمون میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ کس طرح اردو شاعری انسانی احساسات کو محض بیان ہی نہیں کرتی بلکہ قارئین کو ان جذبات کو محسوس کرنے پر مجبور بھی کرتی ہے۔ اردو شاعری کے اس مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شاعری محض ایک تخلیقی عمل نہیں بلکہ انسانی جذبات اور نفسیات کو سمجھنے کا ایک جامع ذریعہ ہے۔ یہ مضمون ان تمام اصناف کے تاریخی اور ادبی پس منظر کے ساتھ ان میں موجود تلاطم کے نمونوں کا تجزیہ پیش

کرتا ہے، تاکہ ان کے نفسیاتی پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔ یہ مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ اردو کی شعری اصناف نہ صرف ادبی حسن کا مظہر ہیں بلکہ انسانی ذہن کی گہرائیوں کو سمجھنے کا ایک منفرد ذریعہ بھی ہیں۔

کلیدی الفاظ: اردو شاعری، نظم، غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، اصناف سخن، انسانی شعور، لاشعور، اجتماعی، شعور، تحلیل نفسی، انسانی جذبات، نفسیات، سگمنڈ فرائیڈ، تحت الشعور، محبت، اداسی، تنہائی، داخلی کشمکش، الجھاو، امر دپرستی، جنسیت، محرومی، کرب، تلاطم، شدت،

دنیا میں موجود تمام زبانیں اور ادب خواہ مغربی ہو یا مشرقی سبھی کی تاریخ شاعری پر مبنی ہے، دنیا کے تمام ادبیات کا وجود شعری ہئیت پر عمل میں آیا جس کی شہادت ادب کے تاریخی گوشوں میں پنہاں ہے۔ اردو شاعری اپنی خوبصورتی، گہرائی اور متنوع موضوعات کی وجہ سے دنیا بھر میں منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ یہ نہ صرف زبان کے حسن کا مظہر ہے بلکہ انسانی جذبات، نفسیات اور شعور کو بھی عمیق طور پر واضح کرتی ہے۔ اردو شاعری کی مختلف اصناف، جیسے غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ اور مرثیہ، ہر ایک اپنی جگہ ایک منفرد دنیا کی عکاسی کرتیں ہیں۔ جو فرد کی داخلی اور اجتماعی نفسیات کو سمجھنے کے لیے ایک موثر ذریعہ فراہم کرتیں ہیں۔ یہ مضمون اردو شاعری کی مختلف اصناف کو نفسیاتی اصولوں کی روشنی میں سمجھنے اور ان کے ذریعے انسانی شعور اور لا شعور کی عکاسی کو واضح کرنے کی کوشش ہے علاوہ ازیں تخلیق کار کے ذہنی گوشوں تک رسائی کر اس کے جذبات احساسات و ناآسودہ خواہشات اور خیالات سے آشنا کرنے کی بھی کوشش ہے۔ کیونکہ شاعری ذہنی گوشوں کی اپج ہے جو شاعر کے اپنے جذبات واحساسات اور ناآسودہ خواہشات کی تکمیل کا آئینہ ہے جس میں قاری اپنے وجود کو دیکھتا ہے۔ اردو شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فرد کے اندرونی جذبات اور بیرونی حالات کے امتزاج کو اس طرح پیش کرتی ہے کہ قاری نہ صرف ان جذبات کو محسوس کرتا ہے بلکہ ان کا گہرائی سے تجربہ بھی کرتا ہے۔

ادب انسان کے ذہنی رجحانات کا سرچشمہ ہے خواہ وہ نثر ہو یا نظم، نفسیات اور ادب کے درمیان تعلق کو سمجھنے کے لیے اردو شاعری ایک بہترین ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ شاعری انسان کے شعور، لاشعور اور اجتماعی شعور کی عکاسی کرتی ہے۔ شاعری میں اپنے خیالات، احساسات و جذبات کا تانا بانا بننا بہت دلچسپ عمل ہے۔ چونکہ شاعری کا دامن جتنا وسیع ہے اتنا ہی رنگین بھی ہے۔

شاعری ایک تخلیقی عمل ے جو انسانی جذبات، خیالات اور تجربات کو زبان و بیان کے ذریعے پیش کرتا ہے۔ شاعر کی داخلی دنیا اور نفسیاتی کیفیات شاعری کے متن میں منعکس ہوتی ہیں، بابائے نفسیات سگمنڈ فرائیڈ کے نظریات کے مطابق شاعر کی تخلیقی قوت کا تعلق شعور، لاشعور اور تحت الشعور سے ہوتا ہے۔ شاعر لاشعوری خیالات کو شعری شکل میں پیش کرتا ہے، جو بعض اوقات ان کے دبے ہوئے جذبات یا ناقابل اظہار خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ شاعر کی شخصیت کا نفسیاتی تجزیہ اس کے متن کے ذریعے اس کی نفسیاتی کیفیت کو سمجھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ انہی جذبات، خیالات اور نفسیاتی کیفیات کی گہرائی کو سمجھنے کا ایک سائنسی طریقہ تحلیل نفسی (Psychoanalysis) ہے۔

تحلیل نفسی سے مراد " ذہن انسانی کا تجزیہ" ۔ نفسیات کے اس نظریہ کا وجود ادب کے کسی صیغیہ کے مرہون منت عمل میں نہیں آیا بلکہ یہ اصطلاح طبعی مشقوں کے نتیجے کے طور پر ظاہر ہوئی۔

جس کے مطالعہ ومشاہدہ سے انسانی نفسیات کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے اور انسانی شخصیت کے پوشیدہ و پیچیدہ رازوں سے پردہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ تحلیل نفسی انسان کے داخلی و خارجی محرکات اور اعصبیاتی اختلال کی آئینہ دار ہے۔ جس میں انسانی ذہن کے پیچ و خم کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ جس کا اظہار شارب ردولوی ان لفظوں میں کرتے ہیں۔

" .... تحلیل نفسی انسانی شخصیت کو متحرک اور موثر انداز میں دیکھتی ہے جو اندرونی طور پر ایک میدان جنگ کا نقشہ رکھتی ہے جس میں ہیجان اور ضبط و نظم خواہش اور روایات میں سخت کشمکش ہوا کرتی ہے۔ یہ نظریہ یقینی طور پر داخلی تحریکات کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ تحلیل نفسی انسان کی خارجی باتوں سے گزر کر اس کے باطن تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے اور معاشرتی پردوں کے پیچھے انسان کی شخصیت کی تہہ میں حقیقتوں کی جستجو کرتی ہے ۔۔۔۱

چنانچہ تحلیل نفسی کا عمل انسانی احساس وجذبات اور تجربات کی عکاسی میں ایک اہم کردار ادا کرتا ہے اور اس اعتبار سے تحلیل نفسی ادب، خصوصاً شاعری کو سمجھنے کا ایک اہم ذریعہ ہے۔ تحلیل نفسی کے نقطہ نظر سے شاعری سے شاعر کی شخصیت اور اس کی ذاتی زندگی کو علیحدہ نہیں رکھا جا سکتا ہے۔ غالباً شاعری کے وہ جوہر جو شاعر پیش کرتا ہے وہ سبھی اس کی شخصیت کی گہرائی میں ہی مضمر ہوتے ہیں دوسرے الفاظ میں اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ تمام ادبی کاوشیں شاعر کے قلبی محرکات کا آئینہ ہوتیں ہیں جو شعوری اور لاشعوری کیفیت سے دوچار ہوتا ہے۔ تحلیل نفسی کے ذریعے جب ماہرین نے انسانی فطرت کے عمیق گوشوں کا مشاہدہ کیا جس سے مختلف حقائق سامنے آئے اور ان سبھی میں سب سے اہم جنسی نظریہ ہے جو اردو شاعری کے تمام تر اصناف سخن میں جابجا نظر آتا ہے اور دنیا کے تمام مشہور و معروف شعراء کی یہاں ملتا ہے۔

بمطابق ریاض احمد:

"... تحلیل نفسی میں جب کسی انسانی فعل کی تہہ میں جنسی اثرات کی تلاش کی جاتی ہے تو اس سے مقصد صرف ان جذبات کی عریانی ہی نہیں ہوتی بلکہ ارتفاع کے اس عمل کی توضیح مقصود ہوتی ہے جس کے ماتحت وہ بنیادی اور خالص جنسی تاثرات ایک اتنی بلند اور ارفع صورت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاعری اپنی تمام تر نزاکتوں اور بلندی کے باوجود زیادہ تر ایک جنسی اظہار ہی کی صورت ہے۔ "۔۔۲

فرائیڈ کا نظریہ تحلیل نفسی (Psycho- Analysis) جنسی خواہشات کی تکمیل، ناآسودہ خواہشات کے ذہنی خلل اور معالجہ پر مبنی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر دیویندر اسر اپنی تخلیق " ادب اور نفسیات" میں لکھتے ہیں کہ :

".....جنسی جذبہ فطری ہے اور خواہش وصل بھی فطری ہے۔۔۔ جنسی جذبہ صرف انسانی نسل کی افزائش اور بقا کے لیے ہی لازمی نہیں بلکہ ادب اور فکر کی انسپریشن بھی جنسی جذبہ ہے، دنیا کے ادب اور فن کے بیشتر اور بہترین حصے کا موضوع جنس ہی ہے۔ ۳"

اردو شاعری میں جنس کی تسکین کے علاوہ دیگر رجحانات بھی نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ جیسے احساس برتری (Superiority Complex) , احساس کمتری (Inferiority Complex) , احساس جرم (Guilt Feeling) , انانیت (Egoism), بے حسی (Insensibility), الجھاؤ، (Complexes) شکستہ شخصیت، (Schizophrenia) انتقام، (vengeance) پیچیدگی

،(Complication)اور تجربہ (abstraction) وغیرہ ایسی دیگر نفسیاتی علامتیں ہیں جو شاعری میں دیگر رجحانات کی نشان دہی کرتیں ہیں۔ مثال کے طور پر اصطلاح احساس برتری پر غالب کا یہ شعر :

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ

خو تم سے شہر میں ہوں اک دو تو کیوں کر ہو

''..... تحلیل نفسی انسان کی انفرادی زندگی کے مدفون حالات اور complexes کی تلاش کا نام ہے...'' ۴

لفظ Complexesایک نفسیاتی اصطلاح کا نام ہے جس کے متبادل کے طور پر اردو میں **الجھاؤ** کی علامت استعمال کی جاتی ہے۔ نفسیات میں complexانسان کی اس کیفیت کا نام ہے جس میں فرد کے لاشعور میں پوشیدہ دبی ہوئی خواہشات و خیالات متحرک ہو کر انسانی شعور اور اس کی خصیت کو متاثر کرتے ہیں۔اس کا اثر انسانی افعال ورویوں پر بھی ہوتا ہے۔فرائیڈ نے دیگر الجھاؤ کے نئے نظریات بھی پیش کیے جن میں اوڈی پس،الیکٹرا، سادیت، مسوکیست اور نرگیسیت خصوصیت کے حامل ہیں۔ جب ان الجھاؤ میں شدت پیدا ہو جاتی ہے تو یہ عارضہ کی شکل اختیار کر کے ذہنی و عصبی امراض کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ جس کا طریقہ معالجہ تحلیل نفسی ہے۔انسان کے ذہنی عارضہ کے اجزاذہن کے لاشعور میں ہوتے ہیں۔ سید اقبال امروہوی لاشعور کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

''..... لاشعور ایسا حصہ ہے جہاں مواد داخل ہو جاتا ہے تو اس کا واپس شعور میں آنا مشکل ہے۔ یہ ایک ایسا کمرہ ہے جس میں جانے کا راستہ تو ہے لیکن باہر آنے کا راستہ پر تالا پڑا ہوا ہے۔ لیکن لاشعور کے مواد کو کرید کرید کر شعور میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے اور اس عمل کو تحلیل نفسی کہا جاتا ہے ....

سیگمنڈ فرائیڈ کے مطابق انسانی شعور تین حصوں پر انحصار کرتا ہے مثلاً۔ ذہن شعور Conscious Mind ذہن تحت الشعور Sub Conscious Mind , ذہن لاشعورUnConscious Mind۔یہ تینوں حصے شاعر کی تخلیقی عمل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں اور شاعری کو انسانی جذبات اور نفسیات کا ایک منفرد آئینہ بناتے ہیں۔

ذہن شعور Conscious Mind:

ذہن انسانی Conscious Mind شعور کے اس طبقہ کا نام ہے جو انسانی ذہن کے فوری تجربات، مشاہدات، جذبات و خیالات، خواہشات اور تصاویر کا احاطہ کرتا ہے جس میں ادراک، حافظہ، حس، جذبہ فکر اعمال وافعال وغیرہ شامل ہیں۔ جس کی نسبت سے انسان کو تمام محرکات کا علم ہوتا ہے۔ انسانی ذہن کے شعوری خیالات کسی ایک کیفیت و حالت میں قائم و دائم نہیں رہتے ان میں تغیرات کا سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے نتیجتاًبہ یک وقت بہت سے خیالات شعور سے گزرتے ہیں۔ لہذا شعور چند خیالات کو ہی قبولیت دیتا ہے، چونکہ ایک وقت میں ان گنت خیالات شعور پر حاوی ہونے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انسان کی شعوری کیفیت سبھی خیالات کا بوجھ بیک وقت اٹھانے پر قادر نہیں۔ غالبا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذہن کا وہ حصہ جو خارجی دنیا سے موافقت رکھتا ہے شعور کہلاتا ہے جو ہمارے احساس وجذبات، خیالات و خواہشات اور افعال کو مربوط شکل میں پیش کرتا ہے۔ شعوری حالت و کیفیت کے دھارے جہاں ملتے ہیں۔ شعور کے متعلق ساجدہ زیدی رقمطراز ہیں کہ :

''.... فرائڈ کے نظریہ کے مطابق انسانی ذہن کی شعوری سطح وہ ہوتی ہے جس سے فرد و اقف ہوتا ہے جو اس کے حافظے اور ادراک کے دائرہ میں رہتی ہے اور جس کی طرف وہ اپنے ہر شعوری عمل کے سلسلہ میں رجوع کرتا ہے۔ انسانی ذہن کی شعوری سطح منطقی فکر کی حامل ہوتی ہے .... شعوری ذہن اور ماحول میں عمل اور رد عمل کا ایک لامتناہی سلسلہ چلتا رہتا ہے ....''۶

Sub Conscious Mindذہن تحت الشعور

ذہن تحت الشعور کو قبل شعور سے بھی موسوم کیا جاتا ہے جس کے لئے انگریزی میں "Pre-conscious" کی اصطلاح کا بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ انسانی ذہن کا وہ طبقہ ہے جو شعور اور لاشعور کے درمیان حائل ہوتا ہے، جو دونوں طبقات کے درمیان ربط وضبط اور آہنگ برقرار رکھنے کی سعی مشکور میں مصروف رہتا ہے اور بہ حیثیت دربان اپنا فریضہ انجام دیتا ہے۔ تحت الشعور شعوری صفت کا حامل تو نہیں لیکن اس حصہ کو شعور کے قریب تر گردانا جاتا ہے۔ یہاں وہ خواہشات، تجربات اور واقعات کی یادیں ملتی ہیں جو کبھی گزشتہ وقت میں شعور کا حصہ تھیں لیکن اب شعوری سطح سے ان کے عکس دھندلے ہو گئے ہیں مگر پوری طرح شعور نے انہیں فراموش نہیں کیا ہے لہذا معمولی کوشش سے انہیں شعوری سطح پر دوبارہ لایا جا سکتا ہے۔ تحت الشعور کا مواد ایسی یادداشت کے اجزاء ہوتے ہیں جنہیں شعوری ذہن بھولا بھی نہ ہو اور وہ اس کو اچھی طرح یاد بھی نہ ہو۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان کے گذشتہ تجربات اور ہیجان کے مسکن کو تحت الشعور کہتے ہیں۔ تحت الشعور کے حوالے سے سید اقبال امروہوی لکھتے ہیں:

'' یہ شعور کی وہ شکل ہے جس میں آنے والے تجربات جب شعور کی حدود سے باہر جاتے ہیں تو تحت الشعور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ہر تجربہ شعور سے ہٹتا نہیں ہے بلکہ تحت الشعور میں چلا جاتا ہے۔ تحت الشعور کی حدود شعور کی حدود سے بالکل ملی ہوتی ہیں اس لئے تحت الشعور میں جو کچھ ہوتا ہے وہ شعور کے بہت قریب ہوتا ہے.... ... تحت الشعور جے کچھ مصنفین نے قبل شعور Pre-conscious بھی کہا ہے ہمارے تجربے اور نفس کا وہ حصہ ہے جس کے واقعات کا علم ہمیں ارادی یا اختیاری توجہ سے ہوسکتا ہے.....''۷

مثلاً: ہم کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں یکایک کسی جملے یا الفاظ کی موافقت سے ہمیں کسی دوسری کتاب کا خاکہ یا واقعہ یاد آجاتا ہے جس کا بھی گذشتہ وقت میں مطالعہ کیا تھا۔ یعنی اس مطالعہ کی یاداشت پہلے ہی سے ہمارے ذہن میں موجود تھی جو غیر معمولی سی کوشش سے شعوری سطح پر آگئی۔ ان سبھی سرگرمیوں کے ساتھ تحت الشعور یہ بھی فریضہ انجام دیتا ہے کہ وہ لاشعور میں موجود منہ زور دبی ہوئی ناآسودہ خواہشات کو شعور میں آنے سے روکتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر شارب ردولوی لکھتے ہیں:

'' قبل شعور کا ایک بہت ہی اہم کام یہ ہے کہ وہ شعور اور لاشعور کے درمیان واقع ہوا ہے۔ لاشعوری خیالات جب شعور میں آنے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں قبل شعور کے خانے سے گزرنا پڑتا ہے۔ یہ ان لاشعوری خیالات کو روکتا ہے اور وہ خیالات جو شعور میں جانے کے لائق نہیں ہیں انہیں شعور میں واپس ڈھکیل دیتا ہے۔ دوسری قسم کے خیالات کو وہ قبل شعور میں خود اس وقت تک رکھتا ہے جب تک شعور ان کا متحمل نہ ہو جائے ۔ اس لئے نفسیات میں قبل شعور کو بھی کافی اہمیت ہے....''۸

تحت الشعور، شعور کی دھندلی کیفیت کا نام ہے جو شعور کے لیے بے حد اہم ہے اور اس کو مواد فراہم کرتا ہے۔

UnConscious Mind ذہن لاشعور

انسانی ذہن کے تینوں طبقات میں سب سے قوی حصہ لاشعوری ذہن ہے۔ یہ شعوری ذہن کا متضاد بھی ہے جس میں انسان کے جذبات، خواہشات، خیالات، خوف، تصورات اور تجربات کی بھولی بسری اور ناآسودہ دبی کچلی یادداشت کے نقوش پوشیدہ ہوتے ہیں۔ جس کا علم انسانی شعور کو بالکل نہیں ہوتا چونکہ یہاں ایسی خواہشات کی یادیں پناہ ڈھنڈتی ہیں جو سماج، مذہب، تہذیب واخلاقی اقدار کے خوف کے باعث پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ پاتی ہیں پھر یہ لاشعور کا حصہ بن جاتی ہیں۔ڈاکٹر شارب ردولوی لاشعور Unconscious mind کی تعریف میں لکھتے ہیں کہ:

'' لاشعور کی عام طور پر یہ تعریف کی گئی ہے کہ ذہن کے پیچھے ایک پوری دنیا خیالات، جذبات ، خوف، ہجانات اور بہت سے احساسات کی آباد ہے جو ہماری خارجی دنیا سے جس کو شعور کہتے ہیں کہیں زیادہ بڑی اور طاقت ور ہے ..... لاشعور ہمارے تجربات کا وہ حصہ ہے جس کا علم لاکھ توجہ کے باوجود بھی ہمیں نہیں ہوتا اور یہ ماضی کے ان افعال سے متعلق ہے جن کو ہم کسی وجہ سے دبانا چاہتے ہیں۔ یعنی وہ تمام باتیں جنہیں وقتی طور پر عقل قبول نہیں کرتی یا کسی وجہ سے جن کا اظہار نہیں ہو سکتا وہ لاشعور کا حصہ بن جاتی ہیں..... لاشعور انسانی نفس کا وہ حصہ ہے جو ہمیشہ خوشگوار اور دبائے ہوئے خیالات سے پر رہتا ہے ....''۹

لاشعوری ذہن ایسی یادوں کا بھی مرکز ہوتا ہے جنھیں فرد خود اپنے حافظہ میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ روزمرہ کے طرز عمل میں انسان کا سابقہ ایسے تلخ تجربات، واقعات یا حقائق سے پڑتا ہے جس کے دقیق جز کو بھی وہ اپنے ذہن کے کسی گوشہ میں موجود نہیں رہنے دینا چاہتا بلکہ اس حادثے کو پوری طرح فراموش کر اپنے ذہن کو اس کی گرفت سے آزاد کرنے کی سعی کرتا ہے۔ وقت کے ساتھ یہ حادثہ اس کے شعور سے محو تو ہو جاتا ہے لیکن اس کی یاداشت لاشعور کی اندھیری تہوں میں چھپ جاتی ہے اور کسی نہ کسی حالت میں انسان کی شخصیت، رویے اور کردار کو متاثر کر اپنے وجود کا اظہار کرتی ہے۔ لاشعور کی قوت عملی اتنی شدید ہوتی ہے کہ یہ انسانی کردار و شخصیت، اذہان، شعور کو بے حد متاثر کرتی ہے۔

جن خواہشات کو آسودگی خاطر میسر نہیں آتی وہ لاشعور کی زیست میں مضمر ہو جاتی ہیں۔ یہ ذہنی سطح ہمیشہ ناخوشگوار احساس و جذبات اور دبی ہوئی خواہشات اور تجربات سے آباد رہتی ہے لہذا لاشعور کی دیگر عملی سرگرمیوں کے حوالے سے حزب اللہ رقم طراز ہیں:

'' ..... لاشعور مکمل طور پر اخلاق سے بے تعلق ہوتا ہے اس میں ایسا مواد جمع ہوتا ہے جسے اخلاق کی ہوا نہیں لگی ....'' ۱۰

انسانی نفس صرف شعور (conscious) تحت الشعور (sub-conscious) لاشعور (unconscious) پر ہی مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کے تعین میں دیگر اور قوتیں بھی اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ فرائیڈ ان قوتوں کے تعلق سے ان کی مزید تشریح کے طور پر (Id) , (Ego) (super Ego) کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ یہ تینوں قوتیں آپس میں بہت کی انفرادی جبلتوں کے ساتھ مل کر انسان کے بیشتر عمل اور رد عمل کے پس پردہ اپنے عملی فرائض انجام دیتی ہیں۔

فرائیڈ کے تحلیل نفسی کے نظریے کے تحت، لاشعور میں موجود دبے ہوئے خیالات اور جذبات خوابوں، لغزشِ زبان، یا تخلیقی عمل کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ شاعری انسانی ذہن کے ان تینوں حصوں کی عکاسی کا ایک بہترین ذریعہ ہے، جہاں شعور کے ذریعے شاعر اپنے جذبات کو ظاہر کرتا ہے، تحت الشعور ماضی کی یادداشتوں اور داخلی کیفیتوں کو تخلیقی زبان فراہم کرتا ہے، اور لاشعور جذبات اور خیالات کی گہرائیوں کو علامتوں اور استعاروں کے ذریعے نمایاں کرتا ہے۔ اس طرح، تحلیل نفسی انسانی ذہن اور شاعری کے تخلیقی عمل کے درمیان ایک گہرا تعلق واضح کرتی ہے، جو ادب کو جذباتی اور نفسیاتی گہرائی فراہم کرتا ہے۔

غزل اور تحلیل نفسی:

غزل اردو شاعری کی مقبول ترین صنف ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں حسن و عشق کی باتیں کرنا۔ غزل کو شاعری میں اولیت اور برتری حاصل ہے۔ غالباً اس صنف نے اپنے اندر تمام ادوار کے سماجی و تہذیبی عوامل اور عناصر کو سمویا ہوا ہے۔ جہاں عشق غزل کا ایک بنیادی عنصر رہا وہیں حسن نے اہم محرک کا فریضہ انجام دیا۔ اردو غزل کا آغاز فارسی شاعری کے زیر اثر وجود میں آیا موضوع کے اعتبار سے غزل کا دامن اتنا وسیع رہا جس میں حسن عشق کے ساتھ ساتھ سیاسی سماجی، معاشی، مذہبی، اخلاقی سبھی کو اپنے بطن میں مضمر کر لیا۔ غزل کے حوالے سے **خواجہ الطاف حسین حالیؔ** "**مقدمہ شعر و شاعری**" میں رقم طراز ہیں کہ :

".... غزل کی اصلی وضع جیسا کہ لفظ غزل سے پایا جاتا ہے محض عشقیہ مضامین کے لیے ہوئی تھی۔ مگر ایک مدت کے بعد وہ اپنی اصلیت پر قائم نہیں رہی۔ ایران میں اکثر اور ہندوستان میں چند شاعر ایسے بھی ہوئے جنہوں نے غزل میں عشق مضامین کے ساتھ تصوف اور اخلاق و مواعظ کی بھی شامل کرلیا ہے..... غزل کی اصطلاح تمام اصناف سخن میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری ہے قوم کے لکھے پڑھے اور ان پڑھ سب غزل سے مانوس ہیں۔" ۱۱

غزل اردو ادب کی وہ صنف سخن ہے جس میں شاعر اپنے احساس و جذبات اور خواہشات کی ترجمانی موثر انداز میں چند لفظوں میں اشعار کی مدد سے کرتا ہے۔ جیسا کے ہم جانتے ہیں کے غزل اور اس کا ہر شعر مختلف اور جداگانہ نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ اگرچہ غزل کا نفسیاتی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ غزل کا ہر شعر انسان کی مختلف کیفیات کی ترجمانی کرتا ہے۔ تخلیق کار کی تخلیق کماحقہ اس کی شخصیت، احساس و جذبات اور خواہشات کی عکاس ہوتی ہے اور قاری بھی اس تخلیق سے لطف اندوز ہوتا ہے لہذا اس صورت حال میں قاری خود کو تخلیق کا خالق محسوس کرتا ہے۔

علم نفسیات، انسانی نفسیات کو جانے سمجھنے کا ایک ایسا علم ہے جو انسان کی فطرت کے تمام داخلی و خارجی پہلوؤں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ الغرض کسی بھی تخلیق سے اس کے خالق کی داخلی و خارجی زندگی، احساسات و جذبات نیز فکری انداز اور خواہشات کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ غزل سے قاری کے قلب و ذہن میں پیدا ہونے والے احساسات و جذبات کا اندازہ درج ذیل غزل کے نفسیاتی مطالعہ سے لگایا جا سکتا ہے۔

میر تقی میرؔ

اس عہد میں الہی محبت کو کیا ہوا چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا
امیدوار وعدہ دیدار مر چلے آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا
کب تک ظلم آہ بھلا مرگ کے تئیں کچھ پیش آیا واقعہ رحمت کو کیا ہوا
اس کے گئے پر ایسے گئے دل سے ہم نشیں معلوم بھی ہوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا خجل اے چشم جوش اشک ندامت کو کیا ہوا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف اے کشتہ ستم تری غیرت کو کیا ہوا
تھی صعب عاشقی کی ہدایت ہی میرؔ پر کیا جانئے کہ حال نہایت کو کیا ہوا

ہر شخص اپنی زندگی کے دوران ذہنی ارتقاء کے مختلف نشیب و فراز سے گزرتا ہے۔ ذہنی تلاطم و مختلف طوفانوں سے دوچار ہوتا ہے۔ یہ غزل میرؔ کے ذہن میں جاری داخلی کشمکش، جذباتی بحران اور محبت کے تجربے سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اثرات کو ظاہر کرتی ہے۔ میرؔ کی غزل میں تحلیل نفسی کی جھلک ان کے شکوے اور احساسات میں نظر آتی ہے۔ وہ اپنی محرومیوں اور داخلی کرب کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنی نفسیاتی کیفیت کو اشعار کے ذریعے بیان کرتے ہیں۔ غزل کے اشعار شاعر کی اندرونی کشاکش اور اضطرابی کیفیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ جس میں شاعر محبت و مروت کی شکایت و شکوہ کرتے نظر آتے ہیں۔ پہلی نظر میں یہ غزل شکوہ اور شکایت کا اظہار معلوم ہوتی ہے، لیکن اس میں انسانی شعور، لاشعور اور جذبات کی ناپائیداری کو علامتی طور پر استعمال کیا ہے۔ میر انسانی تعلقات کے ٹوٹنے، وفاداری کے فقدان اور محبت کی گمشدگی کو ایسے پیش کرتے ہیں جیسے یہ سب کسی عظیم فلسفیانہ المیہ کا حصہ ہو۔ یہاں محبت کی زبوں حالی، جذباتی تنہائی کا استعارہ بن جاتی ہے۔ شاعر سوال اٹھاتا ہے کہ انسانی رشتے اور جذبات کیوں اپنی اصلیت کھو رہے ہیں، اور اس محبت کی گہرائی کہاں چلی گئی ہے جو کبھی انسانی روح کی معراج ہوا کرتی تھی۔ میرؔ غزل میں انسانی نفسیات، محبت کی محرومیت، شکوے، ظلم و ستم، ندامت اور اضطراب کی گہرائیوں کا بیان کرتے ہیں۔ محبوب سے جدائی نے تنہائی و غم کی کیفیت طاری کی ہے ندامت کے آنسو، ستم اور غیرت کے الجھے ہوئے جذبات بھی اس غزل میں شامل ہیں۔ جہاں وہ غیرت اور محبت کی کشمکش میں مبتلا نظر آتے ہیں تو وہی عاشق کی مشکلات اور اس میں چھپی محرومیت ان کی غزل کا مرکزی خیال بنتی ہے۔ اس غزل میں میرؔ نے انسانی جذبات، نفسیاتی کیفیت، شکوہ، ظلم، ندامت اور غیرت کے فلسفیانہ پہلو کو بڑے سچے اور عمیق انداز میں پیش کیا ہے۔ جو ان کے نفسیاتی محرکات کی کشاکش ہے جو میر کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے۔

نفسیاتی علامتیں:

غزل میں شاعر اپنے محبوب سے وفا کی طلب رکھتا ہے لیکن فراق یار میں خدا سے شکوہ کرتا ہے اور روز محشر کا بے صبری سے انتظار کرتا ہے تاکہ وہ اپنے محبوب کا دیدار کر سکے۔ اس غزل میں میر کے ذہنی و قلبی انتشار کے سبب خواہش کا عمل وجود میں آتا ہے۔ خواہش (Desire) خواہش پر انسانی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے۔

اس غزل کے تمام اشعار محرومی (Deprivation) کے ارد گرد طواف کرتے نظر آتے ہیں۔ محرومی (Deprivation) نفسیات کی ایک ایسی اصطلاح ہے جو انسان پر اس کی پسندیدہ شے یا خواہش کے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچنے کے سبب طاری ہوتی ہے۔ محبوب کے وعدہ وصال کے پورا نہ

ہونے پر شاعر ذہنی الجھاؤ کا شکار نظر آتا ہے۔ جو کہ لفظ'' قیامت'' سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر کا ذہنی اضطراب اس قدر شدید ہو چکا ہے کہ اب اس کو اس کا قلب و ذہن اسے برداشت کرنے سے قاصر ہے۔ انسان کی اس کیفیت کے لئے نفسیات میں اضطرابی افسردگی (Agitated Depression) کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اس کیفیت میں فرد کا ردعمل منفی جذبات سے لبریز ہوتا ہے۔ اس غزل میں داخلی کیفیت کا ذکر ملتا ہے جو داخلی ادراک اور کیفیت ادراک کے باعث وجود میں آتی ہے۔ میرؔ احساس محرومی، ظلم اور شدت غم کے سبب موت کے خواہش مند نظر آتے ہیں۔ جو کہ نفسیاتی اصطلاحیں، احساس محرومی، شکستہ خوردی اور احساس کمتری (Inferiority feeling) کی علامت ہے۔ ان اصطلاحوں کے علاوہ مایوسی، ناامیدی کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔

محبوب کے فراق میں شاعر جو اپنی کیفیت بیان کرتا ہے کہ اس کی جدائی کا حوصلہ اب نہیں ہے۔ اس کی جدائی سے جسم ہے حس اور بے جان معلوم ہوتا ہے جس کے پس پشت محبت کا جذبہ سر گرم عمل ہے۔ جذبہ محبت کے علاوہ میر کی اس غزل میں شدید احساسیت (Erethosim) کی اصطلاح بھی ملتی ہے۔ اس اصطلاح کے حوالے سے سید اقبال امروہوی لکھتے ہیں۔

'' یہ اصطلاح اس وقت استعمال کی جاتی ہے جب کے کسی حصہ کی احساسایت میں غیر معمولی طور پر اضافہ ہوجائے ۔ ...''۱۲

الغرض اس صطلاح کی علامت میرؔ کے یہاں لفظ خجل اور ندامت اور غیرت سے واضح ہوتی ہے۔ اس صورت حال میں انسان کو داخلی ادراک اور ادراک کیفیت سے ندامت اور غیرت کا احساس ہوتا ہے۔ اسی ہیجانی کیفیت کے باعث انسان کے احساسات و جذبات میں تغیرات اور محرکات عمل میں آتے ہیں۔ جس کی مناسبت Erethosim کی اصطلاح سر گرم علمل ہوتی ہے۔ اس کے انا (Ego)، لفظ غیرت سے واضح ہوتی ہے۔ سبھی سر گرمیاں لاشعوری اور شعوری کیفیت کی علمبردار ہیں۔

دراصل شاعر و مصنف کی تخلیق اس کے ایسے نفسیاتی محرکات کی علمبردار ہوتی ہے جن کو وہ اخلاقی اقدار و سماج کے اصولوں کی تقلید کے باعث انجام نہیں دے پاتے ہیں اور انہیں نامکمل خواہشات کو تخلیق کی شکل میں قاری کے سامنے رکھتے ہیں اور شاعری کی صنف غزل میں موضوع کے اعتبار سے یہ آسمانی ہے کہ شاعری میں جب چاہے جن حالات میں ہو دو سطر میں اپنی کیفیت کا اظہار کر سکتا ہے۔ اس میں کسی بھی موضوع کو تسلسل سے بیان کرنے کے لئے مجبور نہیں ہونا پڑتا ہے۔

نظم اور تحلیل نفسی:

لغت کے اعتبار سے نظم کے معنی ہیں آراستہ یا موزوں کرنے کے۔ اس کے دیگر معنی کسی چیز کے مختلف اجزا کو ترتیب سے جوڑنے یا لڑی میں پرونے کے ہیں۔ اردو نظم کے حوالے سے ڈاکٹر شمس الرحمٰن فاروقی رقم طراز ہیں کہ :

'' نظم کی آسان اور جامع تعریف یہ ہے کہ ہر وہ منظوم کلام جو غزل نہ ہو نظم ہے۔'' ۱۳

تو وہیں شمیم احمد لکھتے ہیں کہ :

'' غزل کی ہئیت مخصوص ہوتی ہے نظم کے لئے کسی خاص ہئیت کی تخصیص نہیں. غزل کے اشعار میں باہمی تسلسل نہیں ہوتا، لیکن نظم کے اشعار موضوع اور خیال کے اعتبار سے ایک دوسرے میں پیوست ہوتے ہیں...''۱۴

اردو شاعری میں تمام تر ایسی شعری تخلیقات جن کے اجزاء مربوط و مستقل ہوں اور جن کی نوعیت موضوعاتی ہو، انہیں نظم قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی نظموں سے اردو شاعری کی تاریخ مالا مال ہے۔ قلی قطب شاہ سے لے کر عصر حاضر تک ایسی بیشتر نظمیں موجود ہیں۔

'' مقدمہ شعر و شاعری'' میں شاعری کی دیگر اصناف کا ذکر اختصار کے ساتھ ملتا ہے۔ لیکن نظم کا بہ حیثیت صنف ذکر موجود نہیں ہے۔ انیسویں صدی کے وسط تک اردو شاعری میں روایت پرستی حد درجہ تھی۔ غالباً غزل کا سورج بام عروج پر تھا۔ اردو شاعری میں سب سے مضبوط روایت غزل کی تھی۔ نظم کا تصور محض کسی خاص موضوع پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کرنا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے ہندوستان کی سیاسی و سماجی زندگی کی طرح ادبی تاریخ پر بھی اثر انداز ہوئے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں مغرب کے اثرات نظر آنے لگے تھے۔ مغربی زبان و ادب کی آگہی کے باعث مشرقی ادب بھی متاثر ہوا۔ اردو شاعری صدیوں کی روایتی تصورات کے پیچ و خم سے نکل کر نئی فکر اور احساس سے ہمکنار ہوئی۔ اس عہد میں ترقی پسند تحریک، علی گڑھ تحریک جیسی تحریکات نے ادب میں بے حد اہم کردار ادا کیا۔

نظم ایک ایسی تخلیقی ادبی صنف ہے جو اپنے فکری انداز اور شعری اظہار کے ذریعے انسانی جذبات، احساسات، اور تجربات کو بیان کرتی ہے۔ نظم میں فکری آزادی اور جذباتی پیچیدگی کو بیان کرنا آسان عمل ہے کیونکہ نظم میں موضوعات کی پابندی نہیں ہوتی۔ نظم میں شعور، لاشعور، اور تحت الشعور کے عناصر کا باہم ربط نہایت اہم ہے۔ ان تینوں کے درمیان باہم تعلق نظم کے تخلیقی عمل کو ممکن بناتا ہے۔ شاعر شعور کے ذریعے اپنے تجربات کو شعری قالب میں ڈالتا ہے، لاشعور سے جذباتی محرکات لیتا ہے، اور تحت الشعور کے ذریعے غیر شعوری محرکات کو نظم کی شکل میں پیش کرتا ہے۔

یہ ربط نظم میں ایک پیچیدہ نفسیاتی تجزیے کا باعث بنتا ہے۔ شاعر کے خیالات اور جذبات کی تشکیل شعور کی منطقی فہم کے ساتھ لاشعور کی غیر منطقی خواہشات اور خوف سے بھی متاثر ہوتی ہے۔ تحت الشعور ان دونوں کے درمیان ایک پل فراہم کرتا ہے، جو نظم کے تخلیقی عمل کو بہتر بناتا ہے۔ نظم کی تحلیل نفسی کے ذریعے ہم شاعر کے داخلی و خارجی محرکات کو سمجھ سکتے ہیں۔

نظم تنہائی

پھر کوئی آیا دل زار نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا کہیں اور چلا جائے گا
ڈھل چکی رات بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سو گئی راستہ تک تک کے ہر اک راہ گزار
اجنبی خاک نے دھندلا دیئے قدموں کے سراغ

گل کرو شمعیں، بڑھادو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کواڑوں کو مقفل کرلو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا
)فیض احمد فیض(

یہ نظم انسانی ذہن کے مختلف پہلوؤں کی عکاس ہے جو انسانی تنہائی، خوف، اور مایوسی کو ظاہر کرتی ہے۔ فیض نظم میں احساس تنہائی اور انتظار کا بیان کرتے ہیں۔ جس کے انتظار میں دل ناتواں آنکھیں بچھائے ہوئے شدت سے منتظر ہے وہ نہیں آیا اور ممکن ہے کہ وہ نہ آئے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور راستے کا مسافر ہو اور اسی طرف چلا گیا ہو۔ اس کا انتظار اب ختم کر دینا چاہیے کہ اب تو رات بھی ختم ہونے کے قریب ہے اور تاروں کا غبار آسمان پہ بکھر کر روشنی پھیلا رہا ہے۔ محلوں میں رات بھر جلنے والے چراغ بھی اب دم توڑنے کو ہیں۔ ہر ایک راستے کا انتظار بھی اب مایوسی کے سبب ختم ہونے کو ہے۔ وہ جو رات کے کسی پہر آرہا تھا اب اس کے قدموں کے نشان بھی اجنبی لوگوں کے قدموں کے نشانوں نے دھندلے کر دیے ہیں۔ شاعر پر مایوسی کا یہ عالم ہے کہ وہ روشن چراغ کو گل کر مئے کے نشے میں غرق ہونا چاہتا ہے اور شراب کی مقدار کو بڑھانا چاہتا ہے کہ (محبوب کے نہ آنے کے غم کو دور کرئے) تم اپنے بے خواب دروازوں کو بند کرلو کیونکہ اب یہاں کوئی نہیں آیا اور نہ اب کسی کے آنے کی امید باقی ہے۔ انتظار بے سود ہے۔

فیض احمد فیض کی اس نظم کی تحلیل نفسی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ نظم شدید انتظار کے جذبے کا اظہار کرتی ہے کہ شاعر اپنے محبوب کا انتظار کر دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف یہ نظم آزادی کی خواہش کا بھی مظہر ہے۔ چونکہ آزادی بھی کسی محبوبہ سے کم نہ تھی۔ اس کا حصول تصور ہی تسلیم کیا جارہا تھا اور جذبہ، خواہش، شدت سے پیدا ہونے والا جذبہ شاعر کو نظم کے آخر میں مایوس کر دیتا ہے۔ ناخوشگوار یادوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ نفسیات میں اس جذبہ کے لئے امتناع (Supersession) کی علامت کی ذکر ملتا ہے۔ فرد اس احساس کی بنا پر شعور میں موجود وہ ناخوشگوار یادوں کو باہر نکالتا ہے جو موجود ہوتی ہیں۔ غالباً شاعر کے ذہن میں آزادی کی خواہش کچھ ایسا ہی درجہ رکھتی ہے۔ یوں تو شعری صنف ایک پہلو میں بیشتر معنی و مفہوم رکھتی ہے مگر معنویت اس تخلیق کی یہ ہے کہ وہ کن حالات کے باعث وجود میں آئی اور تخلیق کار نے کیونکر اس کی تخلیق۔ تخلیق کے زیر اثر احساس و جذبات کے ساتھ ساتھ وقت و حالات کی بھی ترجمانی ہوتی ہے۔ شاعر کے ہیجان پر احساس کمتری کا شدید غلبہ طاری ہوتا ہے کہ اس احساس میں شدت کے باعث کمتری، کمی، حقارت کا احساس ایک الجھاؤ (Complex) کی شکل اختیار کر لیتا اس کیفیت کو احساس کمتری (Inferiority Complex) کہتے ہیں۔ یہ نفسیاتی الجھاؤ انسان کی شخصیت اور اذہان میں مثبت محرکات اور نامرادی کی آپسی جدوجہد کا اظہار ہے۔ اسی نفسیاتی الجھاؤ کی وجہ سے محرومی (Deprivation) کا جذبہ سرگرم عمل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں شاعر کی شخصیت میں جذباتی انتشار (Dementia) کا بھی دخل نظر آتا ہے۔ اس کیفیت میں انسان کے جذبات میں ہم آہنگی نہیں پائی جاتی ہے اور وہ بکھرے بکھرے نظر آتے ہیں۔ کبھی فرد کے ذہن میں کچھ خیالات جگہ بناتے ہیں تو کبھی ذہن دوسری گرہ میں بندھ جاتا ہے جس کا اظہار نظم کے آخری اشعار سے ہوتا ہے۔

لہذا نظم کے اس تجزیہ کی رو میں ہم دیکھ سکتے ہیں کے نظم اور تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے درمیان گہرا تعلق موجود ہے جیسا کہ نظم انسانی جذبات، لاشعوری خیالات، اور نفسیاتی حالتوں کے اظہار کا اہم ذریعہ ہے۔ نظم کی ساخت اور اس کے موضوعات اکثر انسانی نفسیات کے پیچیدہ

پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ نظم کے تخلیقی عمل میں شاعر اپنے لاشعوری کیفیت کا اظہار کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ نظم میں مختلف علامات، تشبیہات، اور استعارات، خیالات اور احساسات کو بیان کیا جاتا ہے جس کا اظہار شعوری طور کرنا ممکن نہیں اور انہی تمام محرکات کو ہم تحلیل نفسی کے ذریعے بہتر طور پر سمجھے جا سکتے ہیں۔

مثنوی اور تحلیل نفسی:

اردو کے کلاسیکی ادب میں مثنوی کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ صنفی و ہیتی اعتبار سے اس صنف کا دائرہ اتنا وسیع ہے کہ اس صنف سخن میں مختصر سے طویل قصے کہانی اور واقعات مسلسل تسلسل کے ساتھ بیان کئے جا سکتے ہیں۔ خواہ ان کا تعلق رزم سے ہو یا بزم سے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں الطاف حسین حالیؔ نے ادب میں مثنوی کی کارفرمائی اور کارآمد ہونے کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

'' مثنوی، اصناف سخن میں سب سے زیادہ مفید اور بہ کار آمد صنف ہے..... یہی وہ صنف ہے جس کی وجہ سے فارسی شاعری کو عرب شاعری پر ترجیح دی جاسکتی ہے.... عرب ، شاہ نامے کو قرآن العجم کہتے ہیں. اور اسی لئے مثنوی معنوی کی بہ نسبت " ھست قرآن در زبان پہلوی کہا گیا ہے ..''۱۵

جیسا کہ تسلیم شدہ ہے کہ ادب زندگی کا آئینہ ہے لہذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ صنف مثنوی اپنے خالق اور عہد و زماں کی ترجمان ہوتی ہے۔ مثنوی ہی سے سماجی رسومات، عقائد، مذہبی و اخلاقی اقدار کا علم ہوتا ہے۔ مثنوی شاعر کے ذہنی داخلی و خارجی تاثرات کا مرقع ہوتی ہے۔ ایک مثنوی نگار، ناول نگار کے مانند ہی واقعات و قصوں میں توازن اور تناسب کا پورا خیال رکھتا ہے۔ صنف مثنوی کی ابتداء کی تلاش میں جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو مثنوی کا آغاز ہمیں فارسی ادب تک لے جاتا ہے۔ ڈاکٹر وہاب اشرفی مثنوی کے آغاز کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

'' صنف مثنوی شعرائے فارسی کی دین ہے۔ اہل فارس نے اس صنف کی ابتداء ہی نہیں کی بلکہ اس کو بام و عروج تک پہنچا دیا۔''۱۶

اردو کے قدیم دور میں صوفیائے کرام نے دین کی تبلیغ و تلقین علم و واعظ کے لئے جس زبان کا سہارا لیا وہ قدیم اردو ہی تھی۔ چونکہ یہ زبان عام بول چال کے اعتبار سے سہل سمجھی گئی جس کے ذریعے اپنی بات دوسروں تک پہنچانا اور ان کو سمجھانا آسان ہو سکا لہذا یہ دور شعری نشست پر منحصر نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس وقت کے اردو کے نقوش ہمیں شعری ہئیت میں شاعری کی شکل میں ملتے ہیں اور یہی شاعری صنف مثنوی کی شکل میں ملحوظ رہی۔ '' **اردو مثنوی کے ارتقاء**'' میں عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ مختصر مثنوی کے قدیم ترین نمونوں میں حضرت شیخ فرید شکر گنج کی چند صوفیانہ مثنویاں پائی جاتی ہیں تو وہیں حافظ محمد شیرانی '' **پنجاب میں اردو**'' اور مولوی عبدالحق اپنے متعدد مضامین میں ان کی غزل و مثنویوں کے نمونے پیش کرتے ہیں جو بابا شیخ فرید شکر گنج کے نام سے ۶۶۴ ھ سے منسوب ہیں۔

دکن میں اردو شاعری کا باضابطہ آغاز صنف مثنوی سے ہوتا ہے۔ اردو میں سب سے پہلے رکن میں مثنوی لکھی گئی لہذا مثنوی نگاری کی اولیت کا سہرا دکن کے سر اندھا جاتا ہے۔ عبدالقادر سروری اپنی معروف تصنیف **''اردو مثنوی کا ارتقاء''** میں رقمطراز ہیں کہ :

'' اردو میں موجودہ مثنوی کا حقیقی ڈول گجرات اور دکن میں ڈالا گیا۔ اوردکن کے مراکز بیجا پور اور گولکنڈہ کے شعراء نے خاص طور پر اس صنف شاعری کو ترقی دی۔۔''۱۷

اردو ادب کی پہلی مثنوی کے حوالے سے یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ اردو کی پہلی مثنوی **کدم راؤ پدم راؤ** ہے اور اس مثنوی کے خالق فخر الدین نظامی'' **تاریخ ادب اردو** میں ڈاکٹر جمیل جالبی صراحت کے ساتھ لکھتے ہیں کہ :

'' اردو زبان کی پہلی مثنوی '' کدم راؤ پدم راؤ '' ہے جس کے مصنف فخر الدین نظامی ہیں ۔۔''۱۸

کدم راؤ پدم راؤ کو اردو زبان کی پہلی مثنوی کا درجہ اس لئے بھی حاصل ہے چونکہ یہ اس وقت کی وہ پہلی تصنیف ہے جو مثنوی کی ہئیت میں لکھی گئی۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں مثنوی نگاری کا باضابطہ آغاز دکن میں ہوا۔

اردو مثنوی کے آغاز کے حوالے سے محققین کی رائے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً نصر الدین ہاشمی کے مطابق مثنوی کا آغاز دکن سے ہوا ہے تو وہیں پروفیسر عبدالقادر سروری اس کی ابتداء شمالی ہند میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

'' ۔۔اردو کے ابتدائی ریختوں کے بعد سب سے پہلے جو نظمیں ہمارے سامنے آتی ہیں وہ مختصر مثنویاں ہیں جو کم و بیش نویں صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی ہجری کے اوائل تک لکھی گئی ہیں۔۔۔۔۔۔۔ ابتدائی دور کی چھوٹی نظمیں علمائے دین اور صوفیائے کرام کے ارشادات اور ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ اور مثنوی کی شکل میں ہیں۔۔۔''۱۹

خواہ اردو مثنوی کا آغاز شمالی ہند میں ہوا لیکن اس صنف سخن نے دکن کے دامن کو مالا مال کیا۔ جہاں تک شمالی ہند میں مثنوی کے آغاز و روایت کا سوال سامنے آتا ہے تو ہمیں یہاں محققین کی رائے میں اتفاق ملنا مشکل معلوم ہوتا ہے چونکہ بعض محققین بابا فرید گنج شکر کو پہلا مثنوی نگار شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ تو وہی دیگر محققین یہ نتائج اخذ کرتے ہیں کہ شمالی ہند کے پہلے مثنوی نگار شاعر بابا فرید نہیں بلکہ افضل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر گیان چند جین لکھتے ہیں کہ :

'' شمالی ہند کی پہلی مکمل مثنوی افضل کی بکٹ کہانی ہے۔ اس میں بارہ ماسہ کی طرز میں ایک برہا کی ماری نازنین اپنے شوہر کو یاد کرتی ہے۔ یہ موضوع ہندی شاعری سے لیا گیا ہے۔ اردو میں مرد کے جذبات اور تجربات رقم کرنے کی روایت ہے۔ بکٹ کہانی میں موضوع کے ساتھ ساتھ اسلوب بیان بھی ہندی شاعری سے متاثر ہے۔۔۔''۲۰

لہذاا بعد کی تحقیق کو تسلیم کر محققین افضل کو پہلا مثنوی نگار شاعر اور بکٹ کہانی کو شمالی ہند کی پہلی اردو مثنوی کے طور پر قبول کرتے ہیں۔ مثنوی کے اس سیلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں اور میر تقی میر کی مثنوی'' مثنوی معاملات عشق'' کا تحلیل نفسی کی رو میں جائزہ لیتے ہیں کہ کس طرح انسانی احساس وجذبات اور داخلی محرکات انسان کی شخصیت کے پوشیدہ پہلوؤں کو علمبردار بنتے ہیں۔ یہاں اس مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

مثنوی معاملات عشق

کیا بیاں خوبی شکم کو کرے دیکھنے سے کبھو نہ پیٹ بھرے

صدر کے ناحیے سے لے تا ناف چپ کی جگہ ہے کیونکے کہیے صاف

اس سے پر آگے غنچہ گل ہے یاں سخن بابت تامل ہے

پردے میں بھی جو کچھ کہا جاوے آپ سے تو نہ تک رہا جاوے

کیو پڑی ران پر نظر تا ساق اس بن اب زندگی ہوئی ہے شاق

وہ قدم کاش فرق سر پر ہو ساق سیمیں مری کمر پر ہو

واسطے جس کے تھا میں آوارہ ہاتھ آئی مرے وہ مہ پارہ

گہ گئے دست دی ہم آغوشی ہم سری ہم کناری ھم دوشی

چند روز اس طرح رہی صحبت پیار اخلاص رابطہ الفت

مذکورہ اشعار میر کے جذبہ جنسیت کی نشاندہی کرتے ہیں جس میں ان کا محبوب ایک مخالف جنس "Hetro-sex" ہے۔ میرؔ کے عشق کے یہ دونوں پہلو ان کے عشق مجازی کے محرکات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ اور اس مثنوی کے گہرے مطالعے سے میرؔ کی زندگی کے جنسی اور رومانی پہلو سامنے آتے ہیں۔ جیسا کہہ ہم جانتے ہیں کہ ادب دبی ہوئی خواہشات کے اظہار کا ایک بہترین ذریعہ ہے جس کی مدد سے خالق ذہنی کشمکش اور داخلی محرکات کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ لہذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ میر نے اس مثنوی کو اپنے تصورات عشق کو اپنے داخلی واضطرابی کشاکش و کشمکش سے نجات پانے اور اپنی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بنایا ہے جس کے اظہار سے اضطرابی کشاکش سے نجات حاصل ہو۔ جو خالق کی تخلیق میں شعوری یا لاشعوری طور پر واضح ہوتے ہیں۔

لاشعور انسانی ذہن کا وہ حصہ ہے جہاں اس کے غیر اخلاقی و معیاری اور جنسی خیالات جمع ہوتے ہیں۔ جس کا اہم خطہ اڈ ہے جو انسان کی تمام جبلتوں کا مرکز ہے۔ قوت اڈ فرد کی نشاط و مسرت اور اس کی آسودگی کے لئے ہمیشہ سرگرم عمل رہتی ہے۔ لہذا یہ انسان کی تسکین کیلئے کسی بھی اقدار و قوائد کی پابند نہیں ہوتی اور کسی نہ کسی وسیلے سے فرد کی خواہش کو پائے تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیتی ہے۔

اس مثنوی کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر کی شخصیت میں " قوت اڈ کی سرگرمیاں عروج پر ہیں چونکہ جب شاعر کی خواہشات جو اس کے محبوب سے وابستہ تھی وہ پایائے تکمیل تک نہیں پہنچتی اور اس کی خواہشات تسکین نہیں پاتی اور کوئی ہیلہ نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کا مہیا نہیں ہوتا تو" قوت اڈ شاعر کو ہم جنسیت کی جانب مرغوب کرتی ہے تا کہ وہ نا آسودہ خواہش کسی صورت آسودگی حاصل کر سکے جبکہ یہ ایک غیر فطری عمل ہے۔ لیکن پھر بھی میر کے یہاں آمرد پرستی کے نمایاں نقوش ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ شاعر کے کلام و مزاج میں ایک جارحانہ رویہ 'ہر جائی' لفظ کی شکل میں نمایا ہوتا ہے۔ جس کے سبب انہیں ایذا طلبی میں سکون ملنے لگتا ہے۔ غالباً شاعر کے یہاں عشق مجازی کے مختلف عناصر نظر آتے ہیں۔ مثلاً میر Hetro-sex سے Homo-sexاور اس کے بعد انحراف نفسی sexual pervesion " اور "Sexual Perversion مسوکیت Masochism کی طرف دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ان عناصر کی وضاحت کے لئے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

ہماری چاہ نہ یوست ہی پر ہے موقوف

نہیں ہے وہ تو کوئی اور اس کا بھائی ہو

(Sexual Perversion)

اتنا کہا تھا فرش تری رہ کے ہم ہوں کاش

سو تو نے مار مار کے آ کر بچھا دیا

(Masochism)

لہذا میرؔ کے تصورات عشق کے نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کے بعد یہ نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں کہ میر کا عشق سراسر جنسیت کا حامی تھا جو دیگر عناصر پر بنی رہا۔ بے شک میرؔ کی دردمندی اور ان کے تصورات عشق نے انہیں اردو ادب میں ایک اعلیٰ مقام عطا کیا لیکن ان کے دردمندانہ حالات اور جنونی کیفیت اور افسردگی نے انہیں ہمیشہ انتشار ذات کا شکار رکھا۔

تحلیلِ نفسی سے اردو مثنوی کا گہرا ربط، اس صنف میں بیان کردہ کہانیوں، کرداروں، اور جذباتی کیفیتوں کے نفسیاتی پہلوؤں کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ مثنوی، جو عام طور پر محبت، المیہ، یا صوفیانہ موضوعات پر مبنی ہوتی ہے، انسانی جذبات، خواہشات، اور ذہنی کشمکش کو شعری انداز میں پیش کرتی ہے۔ فرائڈ کے نظریات کے تناظر میں مثنوی میں کرداروں کی خواہشات (Id)، ان کے اعمال اور فیصلے (Ego)، اور اخلاقی یا روحانی اقدار (Superego) کے درمیان جدوجہد کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً، مثنوی میں عاشق اور معشوق کے درمیان محبت کی داستانیں داخلی جذبات اور سماجی اصولوں کے مابین تصادم کی عکاسی کرتی ہیں، جبکہ صوفیانہ مثنویاں انسانی انا کو مٹا کر روحانی تکمیل کی جانب سفر کو اجاگر کرتی ہیں۔ یوں مثنوی تحلیلِ نفسی کے اصولوں کو ادبی شکل میں پیش کرتی ہے، جہاں قاری اپنے اندرونی جذبات اور ذہنی پیچیدگیوں کی عکاسی محسوس کرتا ہے۔

قصیدہ اور تحلیل نفسی:

'' قصیدہ ''لفظ '' قصد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں مقصود چونکہ اس نظم میں شاعر کا ایک خاص مقصد (مدح یا ہجو وغیرہ) ہوتا ہے، اس لئے یہ نام رکھا گیا۔ قصیدے کی دو قسمیں ہیں۔ اول تمہید یہ ، یہ وہ قصیدہ ہے جس میں اول چند اشعار بطور تمہید کہہ کر مدح یا ہجو وغیرہ شروع کر دیں دوسرے خطابیہ ، دو قصیدہ ہے جس میں بغیر تمہید، ابتداہی سے مدح یا ہجو وغیرہ کہی جائے .....''۲۱

اردو ادب کی تمام اصناف میں قصیدہ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو انسانی جسم میں دماغ کو حاصل ہے لہذا اس صنف کو مغز سخن تصور کر "قصیدہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس صنف کو دیگر اصناف میں بھی فوقیت حاصل ہے کیونکہ اس کے دامن میں اتنا تنوع ہے کہ کوئی بھی موضوع یا مضمون تسلسل کے ساتھ غزل کی ہئیت میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ہئیتی اعتبار سے قصیدہ کی اہمیت اس بات پر بھی مضمر ہے چونکہ اس کے بطن سے غزل جیسی شاندار صنف سخن پیدا ہوئی۔ لہذا اس صنف کی بہت حد تک وہی ہئیت ہے جو غزل کی ہوتی ہے۔ صنف قصیدے میں مضامین و خیالات کا اظہار مسلسل و مربوط شکل میں کیا جاتا ہے اور اپنے موضوع کے اعتبار سے ہر قصیدے کا کوئی نہ کوئی ایک عنوان بھی ہوتا ہے۔ مثلاً در مدح عالمگری ثانیم (در مدح نواب آصف الدولہ) اور در منقبت حضرت علی وغیرہ۔ مشرقی شعر و ادب میں صنف قصیدہ دور جاہلیت کی دین ہے جہاں سے شاعری کی ابتداء ہوتی ہے۔ عربی شاعری میں قصیدے کو ایک اہم جگہ حاصل ہے۔ ظہور اسلام سے قبل ''عکاظ'' کے میلوں میں ہر سال بہت سے قصائد پڑھے جاتے تھے۔ اس عہد میں شہر عرب میں شعر و ادب کے بازار لگائے جاتے تھے۔ ان بازاروں کا نام عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز تھا۔ یہ بازار عربوں کے لئے ایسے مراکز میں شامل تھے

جہاں لوگ دور دراز سے آکر ان میلوں میں اپنا کلام سناتے تھے۔ شعری ہئیت سے ان میلوں میں جس صنف کا استعمال شعرا اپنا کلام سنانے کے لئے کیا کرتے تھے وہ اصناف سخن'' قصیدہ'' ہوا کرتی تھی۔

عربی شاعری میں قصیدے کا موضوعی دامن بہت وسیع تر تھا۔ لیکن جب اس صنف سخن نے فارسی شاعری کے اثرات قبول کیے تو موضوعات محض مدح و ہجو تک ہی محدود ہو کر رہ گئے۔ قصیدے کے دامن کو مدح و ہجو کے موضوع میں قید کرنے کا کارنامہ فارسی شعرا نے انجام دیا۔ چونکہ فارسی اور اردو شاعری میں قصیدے کا تصور صرف ایسے موضوعات پر بنی ہے جن میں پند و نصیحت، اخلاق و حکمت، گردش زمانہ اور کیفیت پیار وغیرہ ہیں۔ نوعیت کے اعتبار سے قصیدے کی مختلف اقسام ملتی ہیں۔ ظاہری شکل کے پیش نظر ' تمہیدیہ 'اور 'خطابیہ' اور موضوع کے لحاظ سے مدحیہ، وعظیہ، عشقیہ، حالیہ، اور فخریہ ہیں۔ اردو ادب میں جب ہم قصیدے کی ابتدا سے ارتقا کی جانب بڑھتے ہیں اور جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صنف قصیدہ فارسی کے ذریعہ عربی شاعری سے اردو شاعری میں داخل ہوا۔ اردو کے سامنے ابتدا ہی سے فارسی قصائد کے نمونے تھے۔ لہذا اردو میں ہمیں ابتدائی دور میں کوئی کامیاب شاعر نظر نہیں آتا۔ جیسا کہ اردو ادب کا آغاز دکن سے ہوا۔ وہاں شعراء کے دو طبقے ملتے ہیں۔ ایک طبقہ بادشاہوں کا دوسرا طبقہ درویشوں کا۔ لہذا اس طرح ولی سے پہلے قصیدہ کا رواج نہیں ملتا۔ ولی دکنی نے جو قصیدہ حضرت شاہ وجیہ الدین کی مدح میں لکھا وہ بھی دکنی زبان میں تھا۔ ولی نے کئی قصائد لکھے۔ کچھ عرصہ کے بعد صنف قصیدہ کا زریں عہد شروع ہوا۔ یہ زمانہ سودا کا تھا۔ ذوق، غالب اور مومن جیسے عظیم شعراء نے بھی اس صنف سخن میں طبع آزمائی کی اور پھر صنف قصیدہ کی روایت شروع ہوئی اور مختلف مدح و ہجو میں دیگر موضوعات پر قصائد لکھے گئے۔

ابتدا میں قصیدے کا تعلق حقیقت نگاری سے تھا لکن رفتہ رفتہ حقیقت نگاری کی جگہ تمثیل نے لے لی۔ صلہ، انعام و اکرام کی چاہ نے اس رنگ کو اور دوبالا کر دیا۔ ذاتی اوصاف، طبقاتی اوصاف میں تبدیل ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ حقیقت نگاری سے بہت دور ہو گیا۔ مدح و ستائش کی روایت قائم ہو گئی۔ پھر اس صنف میں فقط صاحب اقتدار کی شجاعت، عدل، رعب اور دبدبے کی تعریفیں کی جانے لگیں۔ مدح و ستائش کی بنا پر قصیدہ صرف درباروں کی زینت بن کر رہ گیا اور درباروں سے وابستہ ہونے کے باعث جلد زوال کی جانب بڑھنے لگے چونکہ جیسے جیسے دربار ختم ہوئے قصیدہ بھی زوال پزیری کی راہ پر گامزن ہونے لگا۔ محسن کاکوروی نے صنف قصیدہ میں طبع آزمائی کی اور نعتیہ و قصائد لکھ کر اس صنف کو جلا بخشی۔

جس طرح ادب کے زیر اثر انسانی زیست کی ترجمانی کی جاتی ہے لہذا قصیدہ بھی ایک ایسی صنف ہے جو اپنے عہد کے ساتھ ساتھ شاعر کے مقاصد کا بھی اظہار کرتی ہے۔ چونکہ قصیدہ یا تو کسی کی فرمائش کی نظر ہے یا تو پھر ہجو کے پیرائے میں دل کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کا ایک بہتر ذریعہ، دونوں صورتوں میں قصیدے کی تخلیق کے پیچھے کوئی نہ کوئی سبب یا مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ اردو ادب میں ایسے بیشتر قصائد موجود ہیں جو کسی نہ کسی سلاطین یا نوابین کی فرمائش پر تخلیق کئے گئے یا انعام و مرتبہ کی غرض سے بھی وجود میں آئے۔

تحلیل نفسی کی طرز پر نفسیاتی نقطہ نظر سے گرچہ قصیدے کا مطالعہ کیا جائے انسانی احساسات و جذبات کی بولتی ہوئی تصویر سامنے آجاتی ہے جس میں انسانی جبلت (Instinet) جارحانہ پین (aggressiveness)، آزردگی (Resentment)، آغازیت (Initiation)، احتیاجی تناو (Need Tension)، احترام (Reverence)، اکراہ (نفرت) (Aversion)، انانیت (Egoism)، انبساط (حظ) (Pleasure)، اندرونی احساسیت (Deep Sensibility)، اور ارادہ (Will) وغیرہ جیسی مختلف نفسیاتی علامتیں مضمر ہوتی ہیں۔ جس کا

مطالعہ ہمیں شاعر کی داخلی کیفیت کے ساتھ خارجی احساسیت اور اس کے ارادے و مقصد سے جوڑتا ہے۔ مثال کے طور پر غالب کا یہ قصیدہ جو انہوں نے بہادر شاہ ظفر کے لئے تخلیق کیا تھا۔

مرزا اسداللہ خاں غالب در مدح بہادر شاہ ظفرؔ

مہر عالم تاب کا منظر کھلا
صبح دم دروازہ خاور کھلا

شب کو تھا گنجینہ گوہر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں

صبح کو راز مہ و اختر کھلا
وہ بھی تھی اک سیمابا کی کی نمود

دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا
ہیں کو اکب کچھ ، نظر آتے ہیں کچھ

موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
سطح گردوں پر پڑا تھا رات کو

کعبہ امن و اماں کا در کھلا
بزم سلطانی ہوئی آراستہ

راز ہستی اس پر سر تا سر کھلا
شاہ روشن دل، بہادر شہ کہ ہے

مقصدِ نہ چرخ ہفت اختر کھلا
وہ کہ جس کی صورت تکوین میں

عقدہ احکام پیغمبر کھلا
وہ، کہ جس کے ناخنِ تاویل سے

اس کے سرینگوں کا جب دفتر کھلا
پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام

واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا
روشناسوں کی جہاں فہرست ہے

تھاں سے وہ غیرت مر مر کھلا
نوسنِ شہ میں ہے وہ خوبی کہ جب

تو کہے بت خانہ آذر کھلا
نقش پا کی صورتیں وہ دلفریب

منصب مردمہ و محور کھلا
مجھ پہ فیض تربیت سے شاہ کے

پھر مہ و خورشید کا دفتر کھلا
پھر ہوا مدحت طرازی کا خیال

بادباں کے اٹھتے ہی لنگر کھلا
خامے نے پائی طبعیت سے مدد

عرض سے یاں رتبہ جوہر کھلا
مدح سے ممدوح کی دیکھی شکوہ

بادشاہ کا رایت لشکر کھلا
مہر کانپا، چرخ چکر کھا گیا

اب علّوِ پایہ منبر کھلا
بادشہ کا نام لیتا ہے خطیب

اب عیار آبروئے زر کھلا
سکہ شہ کا ہوا ہے روشناس

اب ماں سعی اسکندر کھلا
شاہ کے آگے دھرا ہے آئینہ

اب فریب طغرل و سنجر کھلا
ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے

جیسا کہ لفظ **" قصیدہ"** سے واضح ہے کہ ارادی طور پر کسی کی مدح و تعریف بیان کرنا۔ مرزا غالبؔ نے یہ قصیدہ بہادر شاہ ظفرؔ کی مدح میں لکھا۔ جس کا کچھ حصہ ہم نے اپنے مضمون میں شامل کیا ہے۔ یوں تو قصیدے میں نفسیات کی بیشتر علامتیں ملتی ہیں لیکن یہاں قصیدے کے جو اشعار پیش کئے ہیں ان کا مقصد نفسیات کی روشنی میں موجود علامتوں و اصطلاحوں کو واضح کرنا ہے۔

لفظ ارادہ (will) سے کسی کی تعریف کرنا انسان کے اس جذبے کے پس پشت اس کی کوئی خواہش (Desire) پوشیدہ ہوتی ہے۔ جس کا وہ حصول چاہتا ہے۔ جو فرد کی آسودگی (satisfaction) کا باعث بنتی ہے۔ لیکن یہاں خواہش کی ایک قسم وضعی خواہشات Conventional Desire کارفرما ہے۔

وضعی خواہشات کے حوالے سے سید اقبال امروہوی لکھتے ہیں کہ:

'' یہ خود ساختہ خواہشات ہیں جنہیں افراد اپنی اپنی ضروریات کے مطابق اپنا لیتے ہیں۔ یہ ایسی خواہشات ہیں جن کے بغیر بھی انسان حیاتیاتی اعتبار سے زندگی گزار سکتا ہے .....'' ۲۲

الغرض یہ نفسیاتی اصطلاح اس قصیدے کا بنیادی جز ہے۔ اس کے علاوہ دوسری اہم علامت احترام (Reverence) کی ہے جو کہ ایک جذبے کی نوعیت رکھتی ہے۔ چونکہ غالب نے مغلیہ شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے احترام اور مرتبہ میں خاور، گوہر، خسر وانجم، مہ واختر اور کواکب وغیرہ جیسے الفاظ سے کام لیا ہے۔ جس کا اظہار دیگر تشبیہات، استعارات وکناؤں سے کرتے ہیں۔

جب فرد کو کسی شے کا ادراک ہوتا ہے تبھی عمل سے رد عمل کا سلسلہ جاری ہوتا ہے۔ اس قصیدے میں اور اک توجہ (Perception & Attention) کا دخل ملتا ہے۔ ادراک میں توجہ خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کی بنیاد پر ارادہ کرنے کا عمل انجام دیا جاتا ہے۔

اس قصیدے میں بادشاہ کی شان واحترام میں جن الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اس کا لب لباب سلطان کی انفرادیت (Individuality) سے روشناس کرانا ہے۔ فطری عمل کے نقطہ نظر سے اگر چہ غالب کے اس قصیدہ کا مطالعہ کریں تو یہ صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ کسی مقصد (Purpose) کے حصول کے لئے تخلیق کیا گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس قصیدے کے تحریر کرنے کے پس پردہ غالب کی کوئی غرض شامل تھی۔ جس کے حصول کے لئے انہوں نے اس قصیدہ کو تحریر کیا۔ علم النفس میں انسان کے اس ارادی جذبے کو اس معنی کے خانے میں رکھا جاتا ہے کہ:

'' نفسیات میں البتہ اس کو ایک محرک کی حیثیت دی جاتی ہے۔ اس کے لئے جدو جہد کرنا پڑتی ہے چاہے اس کی شدت کچھ بھی ہو ۔ مقصد کا حصول خوشی اور مسرت کا باعث ہوتا ہے....'' ۲۳

بلا آخر خواہش کی تسکین اس قصیدے کا حاصل ہے۔ یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کسی بھی عمل اور رد عمل کے لئے انسان کی خواہشات اسے کسی بھی عمل کو انجام دینے پر آمادہ کرتی ہے۔ اور یہ امر انسانی ذہنی قوت اڈ، انا اور فوق النا کے ذریعے عمل میں آتا ہے جس کے ذریعے مقصد (Purpose) کو مقصد (Aim) میں تبدیل کرنے کا فریضہ انجام دیا جاتا ہے۔ لہذا اس طرح انسان کا مقصد اس کی خواہش کے ذریعے اس کی تسکین کا ذریعہ بنتا ہے جس پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے۔ قصیدے کی مخصوص ساخت، جو تمہید، مدح، اور نتیجے پر مشتمل ہوتی ہے، نفسیاتی تسلسل کی عکاسی کرتی ہے۔ قصیدے میں صرف ظاہری مدح وثنا یا ہجو شامل نہیں ہوتی، بلکہ یہ انسانی نفسیات کے پیچیدہ پہلوؤں کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ قصیدہ شاعر کے لاشعور، جذبات، اور سماجی رویوں کی عکاسی کرتا ہے، جسے تحلیل نفسی کے ذریعے بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔ اس طرح قصیدہ نہ صرف ادبی صنف ہے بلکہ انسانی ذہن کے نفسیاتی سفر کی ایک جھلک بھی ہے۔

مرثیہ اور تحلیل نفسی:

مرثیہ اردو ادب کی ایک مشہور اور اہم صنف سخن ہے۔ لفظ مرثیہ عربی کے لفظ '' رثا'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں **میت پر رونا**۔ اس صنف سخن میں اپنے کسی عزیز کی موت پر اظہار غم کرنے کے مرحلے کو قید کیا جاتا ہے۔ سب سے پہلے مرثیہ عربی زبان میں لکھے گئے۔ عرب سے یہ صنف سخن فارسی میں منتقل ہوئی اور پھر اردو ادب میں اس نے جگہ پائی۔

'' 'مرثیہ' '' رثا ''سے متشق ہے جس کے معنی مردے پر رونے کے ہیں۔ واقعہ کربلا سے بیشتر عرب میں مرثیہ لکھنے والے اپنے کسی عزیز یا برگزیدہ شخصیت کے مرنے پر جو اشعار کہتے تھے مرثیہ کہلاتے تھے۔ لیکن اب مرثیے کا اطلاق ان اشعار پر ہوتا ہے جو واقعہ کربلا سے متعلق ہوں اور جن میں سید الشہدا، حضرت امام حسینؓ ، اہل بیتؓ اور ان کے انصارؓ و اعوانؓ کی شہادۃؓ اور ان کے مصائب پر اظہار غم کیا جائے ۔ مرثیہ کہلاتے ہیں...'' ۲۴

اردو ادب میں مرثیہ کی ابتدا دکن سے ہوئی۔ بہمنی سلاطین شیعت کی جانب مائل تھے اسی وجہ سے شعراء میں حضرت امام کو خراج عقیدت پیش کرنے کا رجحان روز بروز بڑھتا گیا۔ دکن میں شاعری کی ابتداء فارسی شعراء کے کلام سے ہوئی۔ چونکہ یہاں دکنی زبان عام طور پر مروج تھی اس لحاظ سے مرثیہ دکنی زبان میں لکھے گئے۔ چنانچہ ایک خاص طبقہ مرثیہ گو کا ابھر کر سامنے آیا اور کثرت سے مرثیہ لکھے گئے۔ یہ وثوق کے ساتھ تو نہیں کہا جا سکتا کہ دکنی مرثیہ کہاں سے لکھے گئے کیونکہ عادل شاہی اور قطب شاہی دونوں سلطنتوں کے بانی امامہ مذہب کے پیرو تھے اور اپنی اپنی سلطنتوں کو مذہب شیعت سے منسوب کیا کرتے تھے۔ نظام شاہی، عادل شاہی اور گولکنڈہ حکومت بھی اسی مذہب کے پیرو تھے۔ اس عہد تک قدیم در قدیم جو کتابیں سامنے آئیں وہ نظام شاہی سلطنت کے شاعر اشرف کا 'نوسر بار' ہے۔ اس کے بعد جو مرثیہ منظر عام پر آیا وہ گولکنڈہ کے مشہور و معروف شاعر وجہی کا ہے۔ اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر بھی خود مرثیہ گو تھا۔ اس عہد کے مرثیے غزل کی ہئیت میں لکھے جاتے تھے۔ دکن کے قابل ذکر مرثیہ نگاروں میں قلی قطب شاہ، برہان الدین جانمؔ، ملا وجہیؔ، غواصیؔ، عبداللہ قطب شاہ، سیوکؔ، فائزؔ، لطیف نوریؔ، افضلؔ کاظم اور شاہی وغیرہ ہیں۔

شمالی ہند میں دکن کے مقابل مرثیہ گوئی کا زمانہ بہت بعد میں ملتا ہے۔ تقریباً شمالی ہند میں صنف مرثیہ کا آغاز بارہویں صدی ہجری میں ہوتا ہے۔ اپنے ابتدائی عہد میں مرثیے قصیدے کی ہئیت میں لکھے گئے۔ پھر رفتہ رفتہ مرثیہ نے مسدس کی ہئیت اختیار کی۔ اس ضمن میں مقارش حسین رضوی لکھتے ہیں کہ:

'' شمالی ہندوستان میں اس صنف سخن کی طرف کب توجہ کی گئی اس کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہیں چلتا مگر قائم دہلوی کو پہلا مرثیہ کہنے والا کہا جا سکتا ہے۔ قائم دہلوی کا ذکر شیخ چاند نے اپنے مقالہ سودا میں کیا ہے اور اسے محمد شاہ دہلی سے بہت پہلے کا بتایا..... مگر قائم دہلوی سے بھی پہلے روشن علی سہارنپوری (سہارنگ پور) نے روضہ الشہداء کے انداز کی ایک طویل نظم "عاشور نامہ" کے نام سے لکھی...''۲۵

اردو ادب میں دلّی کے حوالے سے جس مرثیہ گو شاعر کو اولین مقام حاصل ہے وہ ہیں سوداؔ۔ سودا نے بیشتر مرثیے لکھے جہاں ہمیں دہلی میں سودا جیسا مرثیہ گو شاعر نظر آتا ہے وہیں دبستان لکھنو میں بھی دیگر شعراء منظر عام پر آئے جنہوں نے اس صنف میں طبع آزمائی کی۔

اردو ادب میں مرثیہ دو طرز پر منحصر ہیں اول (شہید) میدان کربلا کے واقعات پر مبنی عشق حقیقی میں امام حسینؓ اور ان کے گھرانے کی قربانی کی سرگشت سنائی دیتی ہے۔ صنف مرثیہ کا مکمل منظر نامہ درد والم، آہ وبکا کی سرزمین پر آباد ہے۔ اور دوسرے شخصی مرثیہ جو اپنے کسی عزیز کی موت سے جدا ہونے اور اس کی جدائی کے الم کو بیان کرتا ہے۔ دونوں ہی اعتبار سے اردو زبان میں بے حد مواد موجود ہے جیسا کہ جہاں مرثیہ کا ذکر ہوتا ہے انسانی ذہن فوری طور پر میدان کربل کے منظر نامے تک جا پہنچتا ہے۔ جہاں میدان کربلا میں ہونے والے دل انگیز واقعات کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اس مرثیہ کا مطالعہ انسانی ذہن و قلب کو اس قدر متاثر کر دیتا ہے کہ قاری وہ تمام رنج والم اپنی ذات میں محسوس کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے کسی عزیز کی مرگ ناگہانی میں کرتا ہے۔ اس کیفیت کو فراموش کرنا ممکن نہیں۔

اردو ادب میں بیشتر تخلیقات ایسی موجود ہیں جو واقعات کربلا اور شخصی مرثیہ پر منحصر ہیں۔ لہذا یہاں ''حضرت علی اصغر'' مرثیہ کا نفسیاتی نقطہ نظر سے تجزیہ پیش کرنا مقصود ہے۔ جو کہ مرزا سلامت علی دبیر کی از حد معروف تخلیق ہے جس میں شیر خوار بچہ پانی نہ ملنے کے باعث بے جان ہو جاتا ہے۔ اس مرثیہ میں بچہ کی اس حالت پر اس کی ماں کی کیفیت کا بیان ہے۔

مرثیہ حضرت علی اصغر

بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے بچے کی نبض دیکھ کے ماں بے حواس ہے
نے دودھ ہے نہ پانی کے ملنے کی آس ہے پھرتی ہے آس پاس، پہ جینے سے پاس ہے
کہتی ہے کیا کروں میں دہائی حسین کی
پتلی پھری ہے آج مرے نور عین کی
فریاد یا علی! میں کدھر جاؤں یا ملی ان داغوں کو کہاں سے جگر لاؤں یا علی
کسی طرح ان کی سانس کو ٹھہراؤں یا علی پانی کا قحط ہے، میں کہاں پاؤں یا عل
پچھلے کو آنکھ کھولی تھی، اب کھولتے نہیں
روتے نہیں، ہمکتے نہیں بولتے نہیں
ہر دم سکینہ سامنے بھائی کے آتی ہے ہاتھوں میں لے کے ان کے کھیلونے دکھاتی ہے
سہلا کے ننھے تلوے، یہ رو کر سناتی ہے مان جاو بھائی جان، یہ بہنا مناتی ہے
کڑھتی ہیں اماں، آنکھ کو تم کھولتے نہیں
اللہ، ہم پکارتے ہیں، بولتے نہیں
آخر کیا یہ سب ہے بلاؤ امام کو لاؤ خدا کے واسطے لاؤ امام کو
اس بے زباں کا حال سناؤ امام کو نیلی رگیں گلے کی دکھاؤ امام کو
اکبر کا لاش لے گئے ہیں قتل گاہ میں

کوئی پکار لو، وہ ابھی ہوں گے راہ میں

)مرزا سلامت علی دبیر(

الغرض یہ کہا جاسکتا ہے کہ صنف مرثیہ جدائی اور اس جدائی سے ملنے والے یا نہ برداشت ہونے والے لمحات کا بیان ہے۔ تحلیل نفسی کی رو سے علم نفسیات میں اس کیفیت کے لئے محرومی (Deprivation) اکیلے پن کے خوف (Autophobia) ۔ درد و تکلیف کا خوف (Algophobia) جیسی دیگر علامتیں پائی جاتی ہیں۔ جو فرد کی اس کیفیت کا اظہار کرتی ہیں جس سے وہ وقت جدائی گزرتا ہے۔ جس معاشرے میں فرد رشتہ دار، دوست، احباب، خاندان اور گھر والوں کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی کے مراحل طے کرتا ہے اس آپسی وابستگی جس کے ذریعہ فرد دوسرے افراد سے جڑا ہوتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح کے جذبے کی بدولت ہوتا ہے۔ اسی جذبہ کی نوعیت سے رشتے ہمکنار ہوتے ہیں اور انہی رشتوں کی بنیاد محبت پر رکھی جاتی ہے۔ غالباً اس طرح رابطے، احساس و جذبات، محبت، پیار، فکر، خیال، ناراضگی، خوشی غم جیسے محرکات کارفرما ہوتے ہیں اور یہی فکری میلان و احساس اپنوں سے جدائی کی نہ برداشتہ کیفیت فرد کو بے چین کرتی ہے اور درد والم کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ زندگی میں ان سبھی رشتوں کی محبت اور ان کا وجود ہمارے لئے لازمی جز بن جاتا ہے جن کا نہ ہونا ہمیں بے قرار کر جاتا ہے اور ان کی موت ہمیں بے جان کر دیتی ہے۔

صنف مرثیہ انسانی ذہن کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہے۔ جذبات، اخلاقیات، اور سماجی اقدار کے امتزاج نے مرثیے کو ایک منفرد ادبی صنف بنایا ہے، جو نہ صرف ادبی حسن کا مظہر ہے بلکہ انسانی نفسیات کے پیچیدہ گوشوں کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ مرثیہ نہ صرف فرد کے غم کی عکاسی کرتا ہے بلکہ اسے اجتماعی سطح پر لے جاتا ہے۔ سامعین اس صنف کے ذریعے اپنے دبے ہوئے جذبات اور غم کو ظاہر کرتے ہیں، جو تحلیلِ نفسی کے "کیتھارسس " (Catharsis) کے اصول کے تحت ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔ اس میں انسانی جذبات جیسے غم، صبر، خوف، اور امید کا اظہار شدت سے کیا جاتا ہے۔ تحلیلِ نفسی کے مطابق، یہ جذبات انسانی ذہن کے ان پوشیدہ گوشوں کو نمایاں کرتے ہیں جو شعوری سطح پر عموماً دبے رہتے ہیں۔ لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ صنف مرثیہ فرد کے ان رشتوں کی شدید محبت کا ترجمان ہے جن کے بغیر فرد اپنی زندگی میں موجود نشاط و مسرت کا تصور بھی نہیں کر سکتا ہے۔ یوں تو ادب کے تمام اصناف سخن انسان کے کسی نہ کسی احساس و جذبات کی عکاسی کرتے ہیں لیکن مرثیہ فقط محرومی اور رنج والم کا علمبردار ہے۔

تحلیل نفسی کے تناظر میں اردو کی شعری اصناف کا مطالعہ ہمیں انسانی ذہن اور جذبات کی گہری تفہیم فراہم کرتا ہے۔ اردو شاعری کی مختلف اصناف نہ صرف ادب کا سنگھار ہیں بلکہ انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی بھی کرتی ہیں۔ ہر صنف میں موجود موضوعات، اسلوب اور جذباتی شدت کو نفسیاتی ماہرین کے اصولوں کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے۔

غزل، جو عموماً عشق اور غم کے موضوعات پر مبنی ہوتی ہے، انسان کی داخلی کشمکش اور خواہشات (Id) کی عکاسی کرتی ہے۔ غزل میں محبت کی شدت اور غم کی گہرائی، انسان کے لاشعوری جذبات اور خواہشات کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔ نظم میں انسان کی فکری پیچیدگیاں، تخیل اور شعور کی عکاسی ہوتی ہے، جو Ego کی سطح پر سماجی اور ذاتی مسائل کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ مثنوی میں کہانی کے ذریعے جذباتی اور اخلاقی کشمکش کو اجاگر کیا جاتا ہے، جہاں کرداروں کی داخلی جدوجہد (Ego اور Superego کے مابین (واضح ہوتی ہے۔ قصیدہ، جو مدح و ستائش کا ذریعہ ہوتا ہے، سماجی اقدار اور ثقافتی

اصولوں کی تفہیم میں مددگار ثابت ہوتا ہے، اور مرثیہ، جس میں غم اور الم کی وضاحت کی جاتی ہے، جو انسان کے اجتماعی شعور اور دکھ درد کی گہرائیوں کو پیش کرتا ہے۔

یہ تمام اصناف انسانی تجربات کی مختلف پرتوں کو چھوتی ہیں اور ہر صنف میں پایا جانے والا جذباتی تاثر، نفسیاتی اصولوں کے مطابق انسانی ذہن کی پیچیدگیوں کو واضح کرتا ہے۔ تحلیل نفسی کے اصولوں کے تحت ان اصناف کا تجزیہ ہمیں انسانی نفسیات کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے کا موقع فراہم کرتا ہے، جہاں فرد کی داخلی دنیا، اس کی خواہشات، خوف اور اخلاقی اقدار کی عکاسی کی جاتی ہے۔ اس طرح اردو کی شعری اصناف نہ صرف ادبی جمالیات کو اجاگر کرتی ہیں، بلکہ انسانی ذہن کی گہری تفہیم بھی فراہم کرتی ہیں، جو ایک منفرد نفسیاتی تجربہ پیش کرتی ہیں۔ یہ مضمون ان اصناف کی تاریخی اہمیت اور نمونہ کلام کے ذریعے ان کے نفسیاتی پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ تحقیق واضح کرتی ہے کہ اردو شاعری ایک ایسا آئینہ ہے جس میں انسانی ذہن کی گہرائیوں کو دیکھا جا سکتا ہے۔ اردو کی یہ اصناف انسانی جذبات اور نفسیات کو منفرد انداز میں پیش کر کے ادب کو ذہنی اور جذباتی تسکین کا ایک ذریعہ بناتی ہیں۔ یوں یہ مطالعہ ان اصناف کی ادبی و نفسیاتی اہمیت کو اجاگر کرنے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے۔

کتابیات

۱۔ جدید اصول و نظریات۔ ڈاکٹر شارب ردولوی۔ ص ۲۰۸

۲۔ اردو شاعری میں جنسیات۔ ریاض احمد۔ ص ۶۷

۳۔ ادب اور جنسیات مشمولہ ادب اور نفسیات۔ دیویندر اسر۔ ص ۱۱۷

۴۔ جدید اصول و نظریات۔ ڈاکٹر شارب ردولوی۔ ص ۲۰۸

۵۔ جدید نفسیات۔ سید اقبال امروہوی۔ ص ۳۹

۶۔ شخصیت کے نظریات۔ مترجم ساجدہ زیدی ص ۳۸

۷۔ اصطلاحات نفسیات تشریح و تفہیم۔ سید اقبال امروہوی۔ ۱۶۷۔۱۶۸

۸۔ جدید اصول و نظریات۔ ڈاکٹر شارب ردولوی۔ ص ۱۹۱

۹۔ جدید اصول و نظریات۔ ڈاکٹر شارب ردولوی۔ ص ۱۹۱

۱۰۔ تحلیل نفسی۔ حزب اللہ۔ ۹۲

۱۱۔ مقدمہ شعر و شاعری۔ الطاف حسین حالیؔ۔ ص ۱۲۶

۱۲۔ اصطلاحات نفسیات تشریح و تفہیم۔ سید اقبال امروہوی۔ ص ۲۷

۱۳۔ نظم کا اسلوب (مضمون مشمولہ اردو نظم) شمس الرحمن فاروقی۔ ص ۴۶

۱۴۔ اصناف سخن اور شعری ہیئتیں۔ شمیم احمد۔ ص ۷۸

۱۵۔ مقدمہ شعر و شاعری۔ الطاف حسین حالیؔ ص ۲۰۲

۱۶۔ مثنویات میرؔ کا تنقیدی جائزہ۔ وہاب اشرفی۔ ص ۵۰

۱۷۔ اردو مثنوی کا ارتقا (شمالی ہند میں) ۔ عبدالقادر سروری۔ ص ۳۱

۱۸۔ تاریخ ادب اردو۔ جمیل جالبی۔ ص ۶۰۵

۱۹۔ اردو مثنوی کا ارتقا (شمالی ہند میں) ۔ عبدالقادر سروری۔ ص ۲۴

۲۰۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں۔ ڈاکٹر گیان چند جین۔ ص ۱۲۲

۲۱۔ نظم اردو۔ نسیم امروہوی۔ ص ۱

۲۲۔۔ اصطلاحات نفسیات تشریح و تفہیم۔ سید اقبال امروہوی۔ ص ۱۲۸

۲۳۔۔ اصطلاحات نفسیات تشریح و تفہیم۔ سید اقبال امروہوی۔ ص ۲۴۶

۲۵۔ شمالی ہند کی مرثیہ گوئی۔ سفارش حسین رضوی۔ ص ۵۷

☆☆☆